



پیارے والدین حبیبہ عمیر

دھند نہیں بس صبح سویرے اپنے رنگ برنگے منہ لے کر آجاتی ہیں، مارننگ شو کرنے۔“ وہ کمر کو ہلکا جھٹکا دے کر بولے جو دور سے ٹھمکا معلوم ہوا۔ اور چھوٹی کی تو ہنسی چھوٹ گئی۔ جس سے ابا کا پارہ مزید بڑھ گیا۔
”تو کیوں رکھی، رکھی کر رہی ہے..... ہیں؟“
انگارے برساتی نگاہوں سے گھورا۔ تو وہ بیچاری پیش نہ سہہ پائی ان انگاروں کی اور فوراً اندر کمرے میں گم ہو گئی۔

ابا کی ہوائی چپل لہراتی ہوئی آئی اور اس کی کمر کے بیچ و بیچ آکر لگی۔ تو اس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور وہ آگے کو لڑھک کر اوندھے منہ گرا۔
”منحوس، آوارہ انسان سارا دن بیٹھ کر زنانیوں والے شودیکھتا ہے یہ لڑکا..... کوئی کام نہ دھندا بس بیٹھا ہار سنگار دیکھتا ہے زنانیوں کے اور یہ..... یہ لی وی والیاں۔“ ابا نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ”ان کو بھی کوئی کام

گرتا پارہ پھر سے چڑھنے لگا۔
 ”بس کر دے ابا اب بس بھی کر دے۔“ بیجڑے
 کا نام تو گویا سلو کو کرنٹ کے مانند لگا۔ وہ اچھل ہی پڑا۔
 ”میں خود کو تو لپٹا پوتی نہیں کرتا، نہ ہار سنگار کا
 شوق ہے مجھے۔“ وہ ناراضی سے بولا۔

”تو دوسروں کو تو تجھے رنگنے کا شوق ہے ناں.....
 وہ بھی زنانیوں کو۔“ دیکھ سلو وہ اب کے لہجہ نرم کر کے
 بولے۔ ”دیکھ بیٹا اگر زیادہ ہی شوق ہے ناں تجھے تو نائی
 بن جا..... تجھے اتنا دکھ نہیں ہوگا جتنا تجھے زنانیوں کی
 طرح کام کرتے دیکھ کر ہوتا ہے۔“
 ”بس کر دے ابا.....“ وہ غصے میں پاؤں پٹختا ہوا
 صدر دروازہ عبور کر گیا۔

”دیکھ لے زبیدہ تو اپنے لخت جگر کو.....“ وہ صحن
 سے ہی باورچی خانے میں آٹا گوندھتی اپنی بیوی پر
 چلائے۔ ”دیکھ لے ذرا جو باپ کی عزت کا خیال ہو
 تیرے پتر کو..... جہاں بھر میں بدنام کر کے ہی دم لے گا
 یہ لونڈا مجھے، رسوا کرائے گا زمانے بھر کے سامنے۔“ وہ
 بولے اور چار پائی پر جھک کر بیٹھ گئے۔
 اندر کام کرتی زبیدہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔
 ساتھ ہی نخوت سے سر جھٹکا۔

☆☆☆

”ابا کو بھی نہ جانے کیا مسئلہ ہے میرے شوق
 سے۔ میں بس میک آرٹسٹ ہی تو بننا چاہتا ہوں۔“ وہ
 قریبی بستی کے پاس ریلوے لائن پر بیٹھا اپنے دل کی
 بھڑاس خود ہی پر نکالتے ہوئے بولا۔
 ”مجھے مشہور ہونا ہے، میں بھی چاہتا ہوں بڑے،
 بڑے لوگوں کی طرح میرے پاس بھی گاڑی ہو، پیسہ
 ہو۔“ وہ ریلوے ٹریک کے ساتھ چلتے ہوئے خود کلامی
 میں مصروف تھا۔

بال بکھرے ہوئے تھے، قمیص بھی سلوٹوں سے پُر
 تھی اور جینز کی پینٹ جو کہ کبھی نیلی تھی اب دھل، دھل
 کر اپنا اصل رنگ نہیں کھو بیٹھی تھی۔ دور سے ہی کوئی دیکھ کر
 اس کی بے بسی اور مفلسی کا اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ بھی
 یہاں کی عام عوام کی طرح مجبور و بے کس تھا۔ وہ بھی اپنے

”اور تو منحوس انسان.....“ اب ان کی توپوں کا
 رخ ایک بار پھر سلیم کی طرف ہوا۔
 ”تو ابھی تک وہیں پڑا ہے کم بخت.....“ وہ اس کی
 طرف بڑھے عین ممکن تھا کہ اسے ایک آدھ ہاتھ جڑھی
 دیتے اگر اماں بیچ میں نہ آتیں۔

”ارے، رہنے بھی دو سلو کے ابا..... اب کتنا
 غصہ کر دے گا ہاں چلو رہنے دو بچہ ہے۔“ وہ انہیں ٹھنڈا
 کر کے بولیں۔

”بچہ ہے، بچہ ہے، یہ کہہ، کہہ کر ہی تم نے اسے
 گھوڑے جتنا کر دیا ہے مگر کم بخت کو نہ جانے عقل کب
 آئے گی اور کب یہ کام دھندا کرے گا۔ جانتا ہے یہ
 خبیث کہ میرا واحد سہارا ہے مگر مجال ہے کہ اسے ریتی
 بھرا احساس ہو باپ کا کہ ہاتھ بٹاؤں۔ کتنی خواہش تھی
 میری کہ میرا بیٹا افسر بنے تو میرا سینہ بھی چوڑا ہو جائے
 محلے بھر میں مگر نہیں.....“ انہوں نے سر کو دائیں سے
 بائیں گھمایا۔ ”میٹرک کا امتحان ہی نہ جانے کتنی بار
 دے چکا ہے مگر پاس ہونے میں نہیں آ رہا ہے۔ سن لے
 سلو اگر اس بار پاس نہ ہو ناں تو تجھے کچھ کر دوں گا
 میں۔“ وہ سلیم کو دیکھ کر گر بجے۔

”رہنے دے ابا اور کتنا کچھ کرے گا ہاں.....!
 جب دیکھو تو تب ہی مجھے مارتا ہی ملتا ہے تو..... نہ جانے
 کس، کس کا غصہ تجھے مجھ پر ہی اتارنا ہوتا ہے۔ دیکھو ایسا
 بار، بار کہہ چکا ہوں کہ پڑھائی پلے نہیں پڑتی
 میرے..... مجھے نہیں بننا افسر و فسر میں تو بس میک اپ
 آرٹسٹ بننا چاہتا ہوں۔ مشہور ہونا چاہتا ہوں میں۔“
 وہ جاگتی آنکھوں سے ایک بار پھر خواب سجا کر جذب
 کے عالم میں بولا۔ جہاں وہ ایک انوکھی دنیا میں تھا۔
 جس میں وہ بڑی سی گاڑی سے نکل رہا تھا اور لوگ اسے
 گھیرے کھڑے تھے، آٹو گراف لینے کے لیے۔ وہ
 اپنے نئے سیلون کا فیتا کاٹنے کو آیا تھا۔

”سلو سیلون.....“

”ارے کھو تو یہ زنانیوں والے کام کرنے کا
 بھوت کیوں نہیں اتارتا اپنے سر سے۔ ہاں بتا مجھے.....
 اب تو کیا بیجڑا بنے گا..... ہار سنگار کرے گا۔“ ان کا

تھماتے ہوئے بولی اور پھر کچن کی طرف بڑھ گئی پانی لانے کو۔ اتنے میں زبیدہ بھی ظہر پڑھ کر کھن میں آگئیں۔
”سلام بھابی.....“ وہ برآمدے میں پڑے تخت پر بیٹھ گئیں۔

”وعلیکم السلام..... بڑی بات ہے کہ تم اس دفعہ پورے مہینے بعد آئی ہو۔ درنہ تو ہر دوسرے ہفتے تم ہفتہ بھر کے لیے رہنے آ جاتی ہو۔“

”بھابی طنزنہ کریں..... میں اپنے میکے نہیں آؤں گی تو کہاں جاؤں گی بھلا۔“ پھپھو روہانسی ہو گئیں۔

”اچھا جانے دو، میں تو مذاق کر رہی تھی۔“ وہ

ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔ بادل

نا خواستہ یہاں آنسوؤں کی نہریں ہی نہ بہہ جائیں۔

”ارے بھابی گڑیا کے ابو کی دیہاڑی نہیں لگی تھی

کئی دن بڑے ہی مشکل سے گزارا ہے یہ مہینہ پھر بچے

بھی بیمار تھے۔ ایک کی بخار جان چھوڑتا ہے تو دوسرے

کو آلیتا ہے۔“ پھپھو وہیں قیص اٹھا کر لڈو کا دسترخوان

کھول کر بیٹھ گئیں۔ جواب ہنکیوں سے رو رہا تھا۔

”اوہ..... چل اب سب ٹھیک ہے ناں.....“

اماں دوپٹے کو کھولتے ہوئے بولیں۔

”بس اللہ کا شکر ہے، گزر رہی ہے جیسے

تیسے.....“ وہ رب کا شکر کر کے بولیں۔

”سلام پھپھو.....“ سلو بھی آوارہ گردی کر کے

لوٹ آیا موڈ اس کا ابھی بحال نہیں ہوا تھا۔

”وعلیکم السلام..... پھپھو کی جان.....“ وہ جان لٹاتی

نظروں سے اسے دیکھ کر بولیں۔ دنیا ایک طرف اور سلو

کے لیے پھپھو کا پیارا ایک طرف تھا۔

”کیا ہوا میرے لال کو..... کسی نے کچھ کہہ دیا؟“

”ہونے کیا ہے پھپھو... دہی ابا کی ڈانٹ اور

کیا.....؟“ وہ بھی سر کر بولا۔

”لو ایک تو بھائی جان کو نہ جانے مسئلہ کیا ہے

میرے بھتیجے سے..... چل تو موڈ اچھا کر پھر میرا اچھا سامیک

اپ کر دینا مجھے رات کو شانی کی شادی میں جانا ہے۔“

”اللہ رو بینہ تیری وہ سہیلی..... اس کی اب شادی

ہو رہی ہے؟“ زبیدہ منہ کھولے پوچھ رہی تھیں۔

جیسے عام نوجوانوں کی طرح بس خواب ہی دیکھ سکتا تھا۔
جن کا شرمندہ تعبیر ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

☆☆☆

”ارے بھابی گھر پر ہو کیا؟“ اندر آتی ایلا

پھوپھی گلا پھاڑے اندر آئی۔ ساتھ میں درجن بھر بچوں کا

ٹو لاجھی دوڑتا، بھاگتا پورے کھن میں پھیل گیا۔

”ارے پھپھو آپ کب آئیں؟“ اندر سے چھوٹی نکلی۔

”چھوٹی ادھر تو آ ذرا.....“ وہ اسے اپنی طرف

بلا تے ہوئے بولیں۔

”ہاں بولیں پھپھو.....“ چھوٹی نزدیک آئی۔

”ذرا اس لڈو کو سنبھال میں رکشے کا کرایہ دے

آؤں۔“ وہ لڈو کو چھوٹی کو دے کر برس لے کر دوبارہ

باہر نکل گئیں۔ اور وہ لڈو کو سنبھالنے لگی جو حلق کے بل

چنچ، چنچ کر رو رہا تھا۔

”ننھی ادھی خبر دار جو پودے کو ہاتھ لگایا تو.....“

وہ پانچ سالہ ننھی کو ڈانٹ کر بولی۔

”اور تم جنید نیچے آؤ چلو۔“ تین سالہ جنید

بیڑھیاں چڑھنے کے درپے تھا وہ وہیں جم گیا۔

گڑیا جو کہ دس سال کی پھپھو کی پہلوھی کی تھی وہ

کچن سے نکلی۔

”اللہ باجی پتا نہیں کتنی گرمی ہے اور ٹھنڈا پانی

نہیں پینے کو رکھا کچن میں۔“

”سلام نہ دعا، یہ کیا طریقہ ہے بات کا۔“ چھوٹی

کو اس کا بے باک انداز ایک آنکھ نہ بھایا تھا تو فوراً ہی

بول پڑی۔

”السلام علیکم کیا حال ہے تمہارا باجی.....؟ اب

بتاؤ کہ ٹھنڈا پانی ہے کہ نہیں۔“ وہ بھی گڑیا بھی اپنے نام

کی ایک وہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔ ترکی بہ ترکی

جواب آیا۔

”چل علی یہ بیک پکڑ اور تو ننھی وہ لال بیک پکڑ

کر لا.....“ ہانپتی کا ہنپی پھپھو اپنے بچوں کو ہدایت دیتے

آئیں تو دونوں متوجہ ہوئیں۔

”پھپھو آپ اپنے لڈو کو سنبھالیں کان کھا گیا ہے

چنچ، چنچ کر.....“ وہ بیزاری سے لڈو کو پھپھو.... کو

غضب کا کیا ہے کمال تو لگتا ہی ہے۔“ وہ اتر آئیں۔

”ہاں بھئی یہ تو ہے میرا بھائی کمال کرتا ہے یہ کام۔ پتا ہے پھوپھو یہ ساتھ والی نہیں شبا نہ اس کی شادی پر بھائی نے اتنا اچھا میک اپ کیا تھا کہ کچھ دنوں میں کئی محلے والیاں آگئی تھیں میک کرانے مگر ابا نے منع کروا دیا۔“

”اچھا..... مجھے کیوں نہیں بتایا تو نے سلو..... میں بات کرتی بھائی سے۔“ انہوں نے شکایت کی۔
”رہنے دیں پھوپھو کو کوئی فائدہ نہیں۔“ وہ بجھے دل سے بولا۔

☆☆☆

رات کو پھوپھو آئیں تو سیدھا بھائی کے کمرے میں چلی آئیں۔
”آگئیں تم..... بتا دیتیں تو لینے آ جاتے۔“ وہ سلام کا جواب دیتے ہوئے بولے۔

”بھائی اب میں پانچ بچوں کی ماں ہو گئی ہوں، اب خود آ جاؤں گی۔“ وہ ممنون ہوئیں۔
”کیسا رہا پھر روبینہ.....؟“ روٹی والی چنگیر میں روٹی اور سالن کی کٹوری لیے بھابی بھی آ گئیں۔

”اچھا رہا بھابی، پتا ہے سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کون سے پارلر سے تیار ہوئی ہو..... میں نے بھی تن کر کہا کہ اپنے جھیتے کے پارلر سے۔ تو وہ سب بڑا حیران ہوئیں۔“ وہ جوش سے بولیں۔

”کیا کہا تم نے.....؟“ بھائی کے منہ میں جاتا نوالہ ہوا میں ہی معلق ہو گیا اور بھویں تن گئیں۔

”کیا بھائی! جھوٹ کہاں ماشاء اللہ سے اس نے گھر میں ہی معمولی چیزوں سے اتنا کمال تیار کیا مجھے، وہ بھی صرف ٹی وی سے سیکھ، سیکھ کر۔ پتا ہے دو چار عورتوں نے تو پارلر کا پوچھا بھی تو میں نے کہا گھر پر ہی ہے۔ بولیں کل ویسے کے لیے وہ یہیں سے تیار ہوں گی۔ میں نے کہا ہاں، ہاں کیوں نہیں۔“

”حد ہو گئی ہے اب یہ گھر پارلر والے کا کہلائے گا۔“ انہوں نے نوالہ چنگیر میں واپس تقریباً شیخ ہی دیا۔
”بھائی دیکھیں، اللہ نے اسے ایک ہنر دیا ہے تو

”ہاں بھابی وہی میری بچپن کی سہیلی اب کہیں جا کر اس کے نصیب کھلے ہیں۔“

”اچھا، چلو اللہ نصیب اچھے کرے۔“ انہوں نے کہا۔

شام کو پھوپھو کپڑے پہن کر اس کے کمرے میں آ گئیں اور بولیں۔

”چلو سلو ذرا میک اپ تو کر دو۔ دیکھو کپڑے پہن لیے ہیں جلدی کر دو رالڈ واٹھ نہ جائے ورنہ وہ کرانے نہیں دے گا۔“

وہ جو میگزین میں بنے ہیرا سائل کا جائزہ لے رہا تھا چونک گیا۔

”پھوپھو کیوں مجھے ابا سے پٹوائیں گی.....؟“ دل تو خوشی سے اچھل ہی پڑا تھا کہ کوئی تو ہے جو اس کے شوق کی پزیرائی کر رہا ہے۔

”دیکھ لوں گی ان کو بھی مجال ہے کسی کی جو میرے لال کو ہاتھ لگائے۔“ وہ لگاوٹ سے بولیں۔
”چل آ جا۔“ وہ ڈرینگ کی میز کے سامنے کرسی بچھ کر بیٹھ گئیں۔ وہ بھی آگیا اور کپڑوں کی مناسبت سے اس نے ایک ماہر کی طرح میک اپ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ اس کے پاس تھا کچھ پھوپھو اپنا اٹھالائی تھیں۔ ویسے بھی مارننگ شوز کی وجہ سے لوگوں کو میک اپ کا کافی پتا لگ گیا تھا۔ آئے روز وہ یہی کام تو سکھاتے ہیں۔

اس نے بڑا زبردست میک اپ کیا ہلکی کوالٹی کی چیزوں سے بھی اور پھر بال بنائے اگرچہ وہ بہت نفاست سے نہیں بنے تھے مگر پھر بھی بہتر تھے۔

”اللہ سلو تیرے ہاتھوں میں تو جادو ہے سچی.....“ وہ اپنا عکس دیکھ کر بولیں۔ ”نہ جانے کیوں بھائی کو نظر نہیں آتا۔“ وہ اس کی طرف پلٹیں۔

”میں آج خود بات کروں گی آکر..... تو دل چھوٹا نہ کر۔“

”پھوپھو آپ کا لڈواٹھ بیٹھا ہے۔“ چھوٹی اسے سنبھالتی اندر آئی تو ٹھک کر رک گئی۔ ”ارے واہ پھوپھو آپ تو بچپانی نہیں جا رہیں۔ غضب ڈھا رہی ہیں۔“
”ہیں ناں..... میرے لال نے میک اپ ہی



ماہنامہ سوسائٹیز

2021ء کے

آخری شمارے کی

یادگار کہانیوں

کی ایک جھلک

اولین صفحات

موسم سرما کی سرد اور برفانی راتوں میں طوفان کے نہ تھمنے تک سلگتے جذبات و انتقام کی انوکھی داستان **یعقوب بھٹی** کی کاوش

شعلہ زن

بے بسی کے اندھیروں میں ڈوبتی لڑکی کی دردناک داستان حیات.....
روبینہ رشید کے قلم کی جادوگری

الاؤ

میں جاؤں کے بھیس میں شاطر مجرموں کا کھیل.....
زندہ انسانوں کے لیے دہکتے الاؤ کی صورت موت تیار کی جا رہی تھی..... **ڈاکٹر عبدالرب بھٹی** کے قلم سے نیا سنسنی خیز سلسلہ

سورق کے رنگ

پہلا رنگ

حجاب میں قید چہروں کا خزاں رسیدہ پتوں کے مانند بکھرنے کا ماجرا۔ **غلام قادر** کے ٹیکھے قلم سے

دوسرا رنگ

کرداروں کے جھرمٹ میں پوشیدہ قاتل و مقتول کی تلاش کا سلسلہ۔ **شابد لطیف** کے قلم سے پیچیدہ کہانی

چینی ٹکڑے چینی

آپ کے تھرے... مشورے... محبتیں...
شکایتیں... اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کتنا

میں اس کے شوق کا پورا ساتھ دوں گی۔“ روبینہ ان کا غصہ کسی خاطر میں نہ لائیں۔

”اور کہوں گی کہ آپ بھی ساتھ دیں۔ آگے آپ کی مرضی.....“ وہ کہہ کر انہیں چھوڑ کر چل پڑیں۔ زبیدہ نے بھی کھسک جانے میں ہی بہتری جانی۔

اگلے دن واقعی تین عورتیں سرشام محلے والوں سے پوچھتے ہوئے پائی گئیں کہ پارلر والے لڑکے کا گھر کون سا ہے۔ شوئی قسمت کہ پوچھ بھی سلو کے ابا سے لیا وہ جو عصر پڑھنے جا رہے تھے محلے کے رشید اور صغیر کے ساتھ برے پھنسے۔ اگر بتاتے کہ میرا بیٹا ہی کرتا ہے تو جگ ہنسائی ہوتی نہ بتاتے تو الگ مسئلہ لہذا انہوں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

”ارے بھائی بتا بھی دیں کہ پارلر والا لڑکے کا گھر کون سا ہے؟“ ان میں سے ایک عورت رشید صاحب سے پوچھ رہی تھی۔

”بہن پارلر والا تو کوئی نہیں ہے یہاں۔“ وہ عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”ارے باجی اس کی پھپھو کا نام یاد ہے تو پوچھ لو“ دیر ہو رہی ہے۔“ ساتھ والی سرگوشی کرتے ہوئے اکتائے لہجے میں بولی۔

”اچھا بھائی روبینہ سعید کا گھر ہی بتا دیں۔“ اس بارشانی کی بھابی بولیں۔

”اچھا روبینہ تو یوں کہیں ناں..... یہ ہیں اس کے بھائی نسیم سعید صاحب۔“

”تو بھائی آپ کیوں نہ بولے پہلے؟“ اس بار پہلی والی ناگواری سے بولی۔

”خیر آپ کا گھر کون سا ہے؟“

”وہ سبز دروازے والا۔“ وہ قدرے شرمندگی سے بولے۔ وہ تینوں بغل سے نکلتے ہوئے آگے بڑھیں۔

☆☆☆

”چلو آ جاؤ سلو تمہارے پہلے گا ملک لے آئی ہوں۔“ پھپھو اپنے قدرے بھاری وجود کو سنبھالتے ہوئے چھت پر چار پائی پر لیٹے سلو کو دیکھ کر بولیں۔ وہ تو اچھل ہی پڑا۔ جو نہ جانے آسمانوں کی

وسعتوں میں کیا تلاش کر رہا تھا۔

”کیا کہا پھوپھو.....؟“ وہ حیران تھا۔

”بھئی کہا تھا ناں میں تیرا ساتھ نہ چھوڑنے کی..... تو نے ہی صبح سے شکل نہیں دکھائی تھی۔ صبح ہی بھائی کی ڈانٹ کے بعد ایسا غائب ہوا کہ شکل نہ دکھائی۔ اب آجاؤ تم سے... میک اپ کرانے کے لیے آئی ہیں۔ شانی کی بھابی اور ان کی بہن۔ میں نے تمہاری تعریف ہی اتنی کی اور باقی کا کام تمہارے ہاتھوں نے کیا جو اتنا کمال تیار کیا تھا مجھے۔“

”سچ بول رہی ہیں پھوپھو.....“ وہ فرط مسرت سے انہیں کندھے سے تھامتے ہوئے بولا۔

”سو فیصد سچ میری جان! اب چلو نہ جانے میرے بچوں نے کیا حال بنایا ہوگا نیچے آجاؤ بس۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے نیچے بڑھیں۔

وہ دونوں نیچے صحن میں اترے تو خود کو ان کا منتظر پایا۔ چھوٹی بھی بڑی پُر جوش دکھائی دے رہی تھی جبکہ زبیدہ شش و پنج میں مبتلا تھیں کہ نہ جانے اس کے ابا کیا کریں مگر آنے والوں کے سامنے خاموش تھیں۔ سلو کے پاس جو اپنی ماں اور بہن کا سامان تھا اور جو پھوپھو کا لایا سامان تھا اس سے وہ شروع ہو گیا۔ سلو نے تینوں کا میک اپ کیا، تینوں تو بہت خوش تھیں۔ انہوں نے اسے چندرہ سو روپے دے تینوں کے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے تھام لیے۔ خوشی اور جذبات سے اس کی آنکھیں جھجک گئیں۔

ابا بھی مغرب پڑھ کر گھر میں داخل ہوئے تو قدرے ٹھنک گئے وہ تینوں واپس لوٹ رہی تھیں۔ ہلکی سی نگاہ میں تو وہ پہچانے ہی نہیں کہ یہ وہی تینوں ہیں۔ میک اپ نے تو شکل ہی بدل دی تھی۔

زبیدہ اور چھوٹی تو انہیں کو دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ ماحول جو کہ سلو کی کامیابی سے کافی خوشگوار تھا وہ ان کی آمد سے کثیف ہونا شروع ہوا۔ جیسے جیسے وہ ان کی طرف بڑھ رہے تھے ویسے ویسے ہی سلو کو سانس لینی مشکل ہو رہی تھی۔

”ابا..... دیکھیں میری پہلی کمائی.....“ اس نے

500 کے تین نوٹ آگے بڑھائے۔

”زنانیوں کو لپٹا پوتی کر کے تو نے کمائے۔“ وہ گرجے۔

وہ بولے تو بوتے ہی چلے گئے۔ خوب لعن طعن کی انہوں نے اور اس لپیٹے میں پھوپھو بھی آگئیں پھر غصے میں وہ اندر چلے گئے۔ سبھی اپنی، اپنی جگہ ساکت تھے۔ سلو نے پیسے پھینک دیے اور غصے سے دروازہ عبور کر گیا۔

”حد کر دیتے ہیں بھائی.....“ رو بینہ پھوپھو کو بھی غصہ چڑھ گیا۔ سب سے زیادہ تو سلو کی طرف سے انہیں دکھ ہوا کیونکہ وہ بیچارہ تو پہلے ہی گھبرار رہا تھا مگر ہمت تو انہوں نے ہی دلائی تھی کہ کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا مگر ہو تو الٹ ہی گیا۔ وہ باؤں پٹختے ہوئے لڈو کو تقریباً زبیدہ بھابی کی گود میں گرا کر بھائی کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

”حد کرتے ہیں آپ بھی بھائی.....“ وہ دروازہ دھاڑ سے کھول کر اندر آئیں۔ نسیم صاحب بھی ایسی افتاد پر گھبرا گئے۔ وہ جو لینے کو تھے اٹھ بیٹھے۔

”کیا تھا جو بچے کا دل رکھ لیتے۔ بسم اللہ کر کے اس کی کمائی پکڑ لیتے اور حوصلہ افزائی کرتے ہاں؟“ آنسوؤں سے تر آنکھوں سے وہ بولیں۔ ”اس نے محنت کی تھی کہیں جوے سے جیت کر تو نہیں لایا تھا وہ۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اللہ نے اسے ہنر دیا ہے اور وہ اس کا خوب استعمال جانتا ہے۔ مگر نہیں.....“ انہوں نے سر مارا..... ”مجال ہے جو بچے کا دل ہی رکھ لیا ہو۔“ وہ اپنا غصہ نکال کر ٹھنڈی ہوئیں۔

”ہاں تو جائز کام سے کمائے ناں..... نہ کے لپٹا پوتی سے۔ عورتوں کو کیوں چھوئے ہے وہ.....“ وہ بھی اگڑ کر بولے۔

”بس کریں بھائی بس کریں آپ..... جب ان عورتوں کے باپ بھائیوں اور شوہروں کو فرق نہیں پڑتا تو آپ کے پیٹ میں کیوں مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ اور ویسے بھی ہمارا بچہ بس اپنا کام کرتا ہے اور اس کی نیت صرف کام کی ہے۔ نہ کہ چھیڑ خانی کی۔“ وہ انہیں چپ کرا کر پلٹ گئیں۔ جبکہ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے کیونکہ بات وہ ٹھیک ہی کہہ گئی تھیں۔ آج واقعی زیادتی کر دی تھی

پاکر وہ بولا۔

”شکریہ..... مجھے بچانے کا.....“ سلو نے فقط یہ ہی کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ جبکہ پیچھے کھڑا اجنبی لڑکا بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

ادھر نسیم صاحب کی ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ وہ بیڈ کے کنارے لیٹے صحن میں کھلنے والی کھڑکی سے مسلسل باہر کی طرف اندھیرے میں نہ جانے کیا کھوج رہے تھے۔ سوچیں بری طرح سے منتشر تھیں۔ رہ، رہ کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ نہ جانے کتنے ہی لمحے شرمندگی میں گزر گئے۔ ان کی سوچوں کا سلسلہ تب ٹوٹا جب سلو نے گھر میں قدم رکھا۔ باہر کے دروازے کی کنڈی کھلنے کی آواز آئی ساتھ ہی شکستہ قدموں سے وہ اندر آیا۔ پل بھر کے لیے اس نے ابا کے کمرے کی طرف دیکھا اور پھر زینے عبور کر گیا جو کھڑکی کے عین سامنے تھا۔ نسیم صاحب سلو کو دیکھ کر کچھ ہوا نہ جانے کب آنکھوں کی ندی کا بند توڑ کر ایک ننھا سا آنسو گال پر بہہ نکلا..... یہ آنسو نہ جانے سلو کے لیے تھا یا پھر اپنے ان خوابوں کے لیے جو سلو کی ذات سے وابستہ تھے اور بری طرح ٹوٹے تھے۔

☆☆☆

آج نہ جانے کیا ہوا تھا کہ ابا باہر بیٹھک کو خالی کروارے تھے انہوں نے سب سے کہہ دیا تھا کہ سب سامان نکال دو باہر۔ سلیم آج بھی چپ، چپ تھا۔ وہ اس دن سے خاموش تھا جب سے وہ حادثہ ہوا تھا۔ اگلے روز پھوپھی ناراض ہو کر واپس چلی گئی تھی ورنہ وہ اس کا موڈ ضرور بحال کر دیتیں۔

”ارے سلو کے ابا کیا کر رہے ہیں یہ اور کیوں خالی کر رہے ہیں؟“

اماں سے رہا نہ گیا تو پوچھ بیٹھیں۔

”تم سے جو کہا ہے ناں وہ کرو بس زیادہ تفتیش مت کرو.....“ وہ مصروف سے انداز میں بولے جبکہ اماں برا سامنہ بنا کر رہ گئیں۔

”اماں، ابا کر کیا رہے ہیں اور یہ سامان کہاں رکھنا ہے؟“ چھوٹی بھی چھوٹے صوفے کو گھسیٹتے ہوئے بولی۔

انہوں نے سلو کے ساتھ۔ آج تو انہیں فخر ہونا چاہیے تھا کہ اپنے بیٹے کی کمائی پر جو اس نے محنت سے کمائی تھی۔ انہیں دکھ ہوا۔

☆☆☆

وہ بار بار اپنے آنسو گرگڑتا اور وہ کم بخت پھر سے نکل پڑے۔ وہ ریلوے لائنوں پر بیٹھا ارد گرد سے... بے نیاز بس روئے جا رہا تھا۔ وہ اپنا دل ہلکا کرنے میں آجاتا تھا۔

”ابا نے اچھا نہیں کیا میرا مان ہی رکھ لیتے تو کیا بگڑ جاتا ان کا..... تیروں کے نشتر سے شاید اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اپنوں کے الفاظ کے خنجر جگر چیرتے ہیں۔ آج میرے لیے کتنا بڑا دن تھا کہ کوئی گھر چل کر میرے ہنر کی پزیرائی کے لیے آیا ہے مگر نہیں ابا کو تو بس مجھ میں دنیا جہان کے کیڑے ہی نکالنے آتے ہیں۔ میں ہی سب سے زیادہ گھٹو ہوں..... میں ہی آوارہ گرد ہوں..... میں ہی خراب ہوں کیونکہ میں افسر نہیں بن سکتا۔“ ایک بار پھر اس نے آنسو پونچھے۔ ”مگر میں کیا کروں میرے مالک، تو مجھے بتا۔“ وہ آنسوؤں سے تر چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کر بولا۔

”میں کیا کروں؟“ آنکھوں میں انتہا کی بے بسی تھی۔ ”میں وہ نہیں بن سکتا جو ابا چاہتے ہیں کیونکہ میری عقل میرا ساتھ نہیں دیتی مگر میں وہ ہوں جو تو نے مجھے بنایا ہے۔ بس میرے مالک تو میرے باپ کا دل میرے لیے نرم کر دے۔ نرم کر دے، نرم کر دے۔“ وہ پھوٹ، پھوٹ کر رو دیا..... جبکہ دور کہیں گاڑی کی چھک، چھک کی آواز دھیرے، دھیرے بڑھتی جا رہی تھی۔

”اوہ.....“ پاس سے گزرتے ایک لڑکے نے اسے دیکھا اور تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔

”اولڑکے مرنا ہے کیا؟“ وہ تقریباً اسے گھسٹتا ہوا لائنوں سے دور لایا اور کچھ سیکنڈز کے بعد گاڑی تیزی سے اس کے سامنے سے گزری۔

وہ تقریباً اس کا ہم عمر ہی تھا۔ سوکھا سا کانٹے جیسا بدن تھوڑی بڑھی ہوئی شیو..... اور ملگجے بال.....

”کیا گھور رہے ہو ہاں.....“ اسے اپنی طرف متوجہ

سے تھام لیا۔
”ادھر آؤ کچھ دکھانا ہے تمہیں.....“ وہ اسے لے کر اندر ڈرائنگ روم کی طرف چلے۔ پیچھے، پیچھے خوشی سے چھوٹی اور اماں بھی تھیں۔

”ارے چھوٹی لائٹ جلاؤ بھئی۔“
”جی ابا.....“ وہ پُر جوش سی بنوں کی طرف بڑھی۔ جیسے ہی کمر روشن ہوا تو سلو کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔
”ابا یہ سب.....؟“ وہ حیران سا پلٹا۔

کمرے میں ایک طرف دیوار پر شیشے لگے ہوئے تھے۔ اس کے آگے کاؤنٹر بنا تھا۔ شیشوں کے گرد لائٹس تھیں اور آگے کرسیاں تھیں۔

”بس بیٹا میں اتنے کی ہی سکت رکھتا تھا۔“ وہ چیزوں کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

”ارے ابا یہ بہت ہے میرے لیے.....“ وہ خوشی سے گلے لگ گیا۔

”میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ نے مجھے میرا شوق پورا کرنے کی اجازت دے دی۔ بس دیکھیے گا ابا میں کتنا بڑا میک اپ آرٹسٹ بنوں گا۔“ اس کی آنکھوں میں یقین تھا، ابا بھی خوش تھے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوش دیکھ کر۔ ضروری تو نہیں کہ ہر بچہ بڑا افسر بنے کچھ بچے خاص بھی ہوتے ہیں اور ان کا بچہ خاص تھا۔ کیونکہ وہ اپنے کام میں ماہر تھا بغیر کسی سے سیکھے۔

”بھیا تم اپنے پارلر کا نام کیا رکھو گے۔“ چھوٹی تجسس سے بولی۔

”سلو بیوٹی پارلر.....“ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ابا بول پڑے۔

سب بے اختیار ہنس دیے۔

”اللہ تو میرے بچے کو بہت کامیاب انسان بناتا۔“ ابا نے سلو کے چہرے پر اطمینان اور خوشی دیکھی تو بے اختیار اس کی کامیابی کے لیے دعا کر ڈالی۔

انہوں نے سلو کا ہاتھ تھام کر..... کامیابی کی منزل کی جانب پہلا قدم تو بڑھا دیا تھا جبکہ اسے اپنی محنت کے ذریعے اب آگے خود بڑھنا تھا۔



”تو خود پوچھ لے۔“ وہ جو پہلے ہی غصے سے بھری بیٹھی تھیں اسے جھاڑ پلا کر بولیں۔ گھٹنا بھر لگا کر سامان باہر نکال کر دوسرے کمروں میں منتقل کر دیا گیا۔ پھر ابا نے دروازہ اندر سے بند کر دیا ڈرائنگ روم کا اور اندر سے ٹھوکا ٹھاک کی آوازیں آنے لگیں جو گھر بھر کے تجسس کو بڑھا رہی تھیں۔

سلو تو چپکے سے گھر سے نکل گیا۔ جبکہ اماں اور چھوٹی بھی مصروف ہو گئیں۔

”کریں جو کرتے ہیں۔“ اماں نے ناک سے مکھی اڑائی اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

سلو کے ابا نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے میں ڈالی۔ ابھی انتظام کم تھا مگر بہت تھا۔ شروعات کے لیے۔ دودن سے وہ لگے ہوئے تھے اپنے کام میں۔

”ارے زبیدہ بیگم ادھر آؤ بھئی۔“ وہ پُر جوش انداز میں بولے۔

”آئی ہوں۔“ زبیدہ بیگم نے کچن میں سے آواز دی۔

”ارے چھوڑو سارے کام بس ادھر آؤ۔“ ان سے رہا نہیں جا رہا تھا۔

”کیا ہے سلو کے ابا.....“ وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ ملتی آئی اور جیسے ہی نگاہ کمرے میں پڑی تو ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”یہ..... کیا؟“ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”بس ذرا سلو کو آنے دو تم.....“ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ شام ڈھلے وہ لوٹا سارا دن سڑکیں تاپنے کے بعد اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔

”اماں کھانے کو کچھ دے دیں.....“ وہ ہاتھ دھوتے ہوئے بولا۔

”کہاں تھے جناب؟“ ابا چہرے پر سنجیدگی سجا کر بولے جبکہ اندر سے ان سے رہا نہیں جا رہا تھا۔

”آپ کو کیا کہ میں کہاں تھا، کیا کر رہا تھا؟“ وہ نظر انداز کر کے اندر جانے لگا تو ابا نے اسے کندھے